

تذکرہ قرآن

۶۰

المعارج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ — الحاقۃ — کی شتیٰ ہے، دونوں کے عمود میں کوئی اصولی فرق نہیں ہے۔ اندازِ عذاب و قیامت جس طرح سابق سورہ کا موضوع ہے اسی طرح اس کا بھی موضوع ہے۔ دونوں کے ظاہری اسلوب میں بھی بڑی مشابہت ہے جس طرح سابق سورہ میں اثباتِ جزا و سزا پر، وسطِ سورہ میں، قسم کھائی گئی ہے اسی طرح اس سورہ کے وسط میں بھی اسی نوعیت کی قسم ہے۔ خاص پہلو اس کا یہ ہے کہ اس میں ان متمرّدین کو تلبیہ فرمائی ہے جو عذاب و قیامت کا مذاق اڑاتے اور اس کے لیے جلدی چلے ہوئے تھے۔ ان کے رویہ پر شی علی اللہ علیہ وسلم کو ممبر کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ یہ بہت ہی تنگ ظرف اور تھوڑے لگ ہیں۔ اس وقت خدا نے ان کو بڑھ چیل دی ہے تو ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے ہیں۔ ذرا گرفت میں آجائیں تو ساری سنجھی بھول جائیں گے۔ ان سے چندے درگزر کرو۔ ان کے فیصلہ کا وقت آیا ہی چاہتا ہے۔ جب وہ وقت آجائے گا تب انھیں اندازہ ہوگا کہ جس چیز کے لیے جلدی چلے ہوئے تھے وہ کیسی ہولناک چیز نکلی۔

ب سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورہ کے مطالب کی ترتیب اس طرح ہے۔

(۷-۱) ان لوگوں کو سزا دینا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو زچ کرنے کو عذاب کے لیے جلدی چلائے ہوئے تھے۔ ان کو آگاہی کہ کافروں کو جس عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے وہ ایک دن آکے رہے گا اور کوئی اس کو دفع کرنے والا نہیں بنے گا، لیکن خدا کے دنوں کو لوگ اپنے پیمانوں سے نہ ناپیں۔ اس کی بارگاہ بہت بلند ہے۔ وہاں رسائی کے لیے تو فرشتوں اور جبریل کو بھی پچاس ہزار سال کے برابر کا ایک دن لگتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر جمیل کی تلقین اور یہ اطمینان دیا جاتا ہے کہ جس دن کو یہ تنگ نظر بہت دور خیال کر رہے ہیں ہم اس کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں۔

(۸-۱۸) قیامت کے دن کی تصویر کہ اس دن آسمان تیل کی تمچھٹ کے مانند سرخ اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی مانند پراگندہ ہو جائیں گے۔ ہر ایک کی قوت و جمعیت بالکل منتشر ہو کر رہ جائے گی۔ کوئی کسی کا پرسان حال نہیں

رہے گا۔ اس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لیے آدمی اپنے سارے عزیزوں، محبوبوں، خاندان، قبیلہ بلکہ زمین کی ہر چیز کو فدیہ میں دے دینا چاہے گا۔ دوزخ کے شعلوں کی لپٹ اس کی چڑھی ادھیڑے گی۔ وہ ان سب کو کھینچ بلائے گی جنہوں نے دعوتِ حق سے اعراض کیا اور دولت جمع کرنے اور سینے میں لگے رہے۔

(۱۹-۳۵) اس حقیقت کا اظہار کہ لوگوں کا عام حال یہ ہے کہ ذرا خدا کی کسی گرفت میں آ جائیں تو داویلا شروع کر دیتے اور مایوس ہو جاتے ہیں اور اگر ڈھیل مل جائے تو اس کے شکر گزار ہونے کے بجائے اتر آتے اور اکڑتے ہیں اور اس کے بخشے ہوئے مال پر خزانے کے سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس عام حالت سے مستثنیٰ صرف وہ لوگ ہیں جن کو خدا کی بندگی کی توفیق حاصل ہوئی۔ ان کے مال میں بے شک سائلوں اور محتاجوں کا حق ہوتا ہے۔ وہ روزِ جزا سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ خدا کا عذاب سخت رہنے کی چیز نہیں ہے۔ وہ اپنی شہادت کو گم لگاتے ہیں۔ وہ اپنی باتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے اور اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔ وہ اپنی نازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو جنت میں عزت کا مقام پائیں گے۔

(۳۶-۴۴) ان لوگوں کے حال پر اظہارِ تعجب جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے عذاب و قیامت کا ذکر سنتے ہی آپ کا منہ بند کر دینے کے لیے آپ پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ ان کے اس زعم کی طرف اشارہ کرنا کہ اس دنیا میں جو عیش و آرام حاصل ہے آخرت ہوئی تو اس سے بڑھ کر وہاں ان کو عیش و آرام حاصل ہو گا اور زعم کے سبب سے ان کے دلوں پر عذاب کی دھمکی بڑی شاق گزرتی تھی۔ ان کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے خلقت کو یاد رکھیں۔ نہ دوبارہ پیدا کیے جانے کو بعید از امکان سمجھیں اور نہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ جو مشرق و مغرب کا رب ہے وہ ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر پہلے بھی زیادہ قادر ہے۔ آ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقینِ صبر کہ یہ لوگ جو سخن سازیاں کر رہے ہیں کر لینے دو۔ وہ یومِ موعود در بند ہے جس دن یہ قبروں سے نہایت تیزی سے نکلیں گے، ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔

سُورَةُ الْمَعَارِجِ ^(٤٠)

مَكِّيَّةٌ ————— آيات : ٢٣

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ① لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ ②
 مِنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ ③ تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي
 يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ④ فَأَصْبَحَ نَبَاتًا
 جَبِيلًا ⑤ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ⑥ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ⑦ يَوْمَ
 تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَيْلِ ⑧ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ⑨ وَلَا
 يُسْأَلُ حِيمٌ حَيْبًا ⑩ يُبْصَرُونَ نَهُوً يُؤَدُّ الْمَجْرِمُ لُوَيْقْتَهُ
 مِنْ عَذَابٍ يَوْمَئِذٍ بِبَنِيهِ ⑪ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ⑫ وَ
 فَصِيلَتِهِ الَّتِي تُتَوَىٰ ⑬ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ
 يُنْجِيهِ ⑭ كَلَّا إِنَّهَا لَأُنْظَىٰ ⑮ نَزَاعَةٌ لِلشَّوَىٰ ⑯ تَدْعُو مَنْ
 أَدْبَرَ تَوَىٰ ⑰ وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ⑱ إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ⑲
 إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ⑳ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ㉑
 إِلَّا الْمُصَلِّينَ ㉒ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ㉓ وَ
 الَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ㉔ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ㉕

آيات
٢٣-١

وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۖ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ
 رَبِّهِمْ مُسْتَفِقُونَ ۖ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَا مُنُّوا ۖ وَالَّذِينَ
 هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۖ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ
 أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۖ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ
 فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۖ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ
 رَاعُونَ ۖ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَائِمُونَ ۖ وَالَّذِينَ
 هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۖ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ
 مُّكْرَمُونَ ۖ فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قَبْلَكَ مُهْطِعِينَ ۖ
 عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ۖ أَیْطَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ
 أَنْ يَدْخُلَ جَنَّةً نَّعِيمًا ۖ كَلَّا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ ۖ
 فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ ۖ عَلَىٰ
 أَنْ نُبَدِّلَ خَيْرًا مِنْهُمْ ۖ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۖ فَذَرُهُمْ
 يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ۖ
 يَوْمَ يُخْرِجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَانَتْهُمْ إِلَىٰ نُصَبٍ
 يُوفِّضُونَ ۖ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُقُهُمْ ذُلَّةٌ ۖ ذَٰلِكَ
 الْيَوْمِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۖ

۳۵

۳۶

جلدی مچائی جلدی مچانے والے نے کافروں کے لیے واقع ہونے والے عذاب
 کی۔ اس کا کوئی دفع کرنے والا نہیں بنے گا۔ وہ مدارج والے خداوند کی طرف سے ہوگا۔

ترجمہ آیات

۳۵-۱

اس کی طرف فرشتے اور جبریل صعد کرتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ تو تم خوبصورتی سے صبر کرو۔ وہ اس کو بہت دور خیال کر رہے ہیں اور ہم اس کو نہایت قریب دیکھ رہے ہیں۔ ۱-۷،

جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کے مانند ہو جائے گا اور پہاڑ دھنی ہوئی اُون کے مانند اور کوئی دوست بھی کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ وہ ان کو دکھائے جائیں گے۔ مجرم تمنا کرے گا کہ کاش! اس دن کے عذاب سے چھوٹنے کے لیے اپنے بیٹوں، اپنی بیوی، اپنے بھائی اور اپنے اس کنبہ کو جو اس کی پناہ رہا ہے اور تمام اہل زمین کو فدیہ میں دے کر اپنے کو بچالے۔ ۸-۱۲

ہرگز نہیں! وہ ایسی آگ ہوگی جس کی لپٹ چمڑی ادھیڑے گی۔ وہ ان سب کو کھینچ بلائے گی جنھوں نے پیٹھ پھیری اور اعراض کیا، مال جمع کیا اور اس کو سینت سینت کر رکھا۔ ۱۵-۱۸

انسان بے صبر پیدا کیا گیا ہے جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ گھبرا جانے والا ہے اور جب اس کو کشادگی حاصل ہوتی ہے تو نجیل بن جانا ہے۔ صرف نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ جو اپنی نمازوں کی مداومت رکھتے ہیں اور وہ جن کے مالوں میں ایک معین تھی ہوتا ہے، سالوں اور محروموں کا اور جو تصدیق کرتے ہیں جزا کے دن کی اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہنے والے ہیں۔ بے شک ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ہے۔ اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے حد تک، سو اس باب میں ان کو کوئی ملامت نہیں رہا، جس نے اس

سے آگے بڑھ کر چاہا تو وہی لوگ حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی شہادتوں کو ادا کرنے والے ہیں اور وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ جنتوں میں، عزت کے ساتھ، رہنے والے ہوں گے۔ ۱۹-۳۵

تو ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ ذہن سے باہر سے، تم پر پلے پڑ رہے ہیں گروہ درگروہ! کیا ان میں سے ہر ایک یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ جنتِ نعیم میں داخل کر لیا جائے گا! ہرگز نہیں! ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس چیز سے جس کو وہ جانتے ہیں! ۳۶-۳۹۔

پس نہیں! میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے خداوند کی کہ ہم قادر ہیں اس بات پر کہ ہم ان کو بدل دیں ان سے بہتر سے اور ہم اس سے عاجز رہنے والے نہیں ہیں۔ پس ان کو چھوڑو یہ سخن گستری اور سنہسی مسخری کر لیں یہاں تک کہ اپنے اس دن سے دوچار ہوں جس کی ان کو دھمکی دی جا رہی ہے۔ جس دن نکلیں گے قبروں سے سرعت کے ساتھ گویا کہ وہ نشانوں کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ یہ ہے وہ دن جس سے وہ ڈراٹے جاتے رہے ہیں۔ ۴۰-۴۴

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

سَأَلَّ سَائِلًا بِعَذَابٍ وَاقِعٍ (۱)

سوال کے مختلف معانی پر اس کے محل میں بحث ہو چکی ہے یہاں اس کا صلب 'ب' کے ساتھ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ استعمال یا استہزاء کے مفہوم پر متفق ہے۔ یعنی ایک سوال کرنے والے نے واقع ہونے والے عذاب کی جلدی مچائی یا اس کا مذاق اڑایا۔ قریش کے متردین کو جب عذاب سے ڈرایا جاتا تو وہ پرچھتے کہ وہ عذاب کہاں ہے؛ عذاب آتا ہے تو اکیوں نہیں جاتا؛ ہم کب سے اس کے ڈراؤے

سوال بتاؤ

استعمال

سن رہے ہیں لیکن وہ جلد تو راہ میں کہاں لنگر انداز ہو گیا کہ اب تک وہ نہیں پہنچا؛ اس طرح کے سوالات ظاہر ہے کہ تحقیق کے لیے نہیں بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو زچ کرنے اور عذاب کا مذاق اڑانے کے لیے کیے جاتے تھے۔ ان سوالوں کے اندر جلد بازی اور استہزاء دونوں کے مفہوم پائے جاتے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ اس جلد بازی کا مقصد ہی مذاق اڑانا ہوتا تھا۔ 'ب' کے صلہ نے 'سوال' کے اس مفہوم مضمون کو واضح کر دیا اس لیے کہ استعمال اور استہزاء دونوں کا صلہ 'ب' سے آتا ہے، تَلَّا يَسْتَعِجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ (العنکبوت - ۲۹: ۵۴) اسی طرح اُسْتَهْزَأُوا کا صلہ بھی 'ب' ہی آتا ہے۔

لِلْكَافِرِينَ كَيْسَ كُنْهِ دَافِعٍ (۲)

عذاب کیلئے جلدی چلنے والوں کی حالت کا مذاق اڑاتے ہیں جو کافروں کے لیے واقع ہونے والا ہے اور اس کو مستقل جملہ بھی قرار دے سکتے ہیں، یعنی وہ جس عذاب کا مذاق اڑا رہے ہیں وہ کافروں ہی کے لیے ہوگا اور کوئی اس کو دفع کرنے والا نہیں بنے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی شامت ہی ہے جو اس دھٹائی سے اس کے لیے جلدی چلا رہے ہیں۔ وہ سیلاب فنا آیا تو آخر کس کے گھر جلے گا؛ انہی کے گھر تو جائے گا! اس کے مقابلہ کا کیا سامان انھوں نے کر رکھا ہے کہ اس طرح چیلنج کر رہے ہیں! اس کو دفع کرنے کا بوتا تو کسی میں بھی نہیں ہوگا، نہ ان کے اندر اور نہ ان کے مزعومہ مجسودوں کے اندر تو کس برتنے پر اس کو دعوت دے رہے ہیں!

مِنَ اللَّهِ ذِي الْمَعَارِجِ (۳)

یعنی وہ عذاب آئے گا تو ضرور جس خدا نے اس کی دھمکی دی ہے اس کا ہر وعدہ اور اس کی ہر وعید شدنی ہے لیکن اس کی بارگاہ بہت بلند ہے۔ وہ بڑی بلند یوں، بڑے مدارج اور ریزوں والا ہے۔ دنوں کو اپنے اس کے دربار سے جو احکام نازل ہوتے ہیں وہ اس کے اپنے پروگرام کے مطابق ہوتے ہیں اور ان سالوں اور دنوں کے اعتبار سے بنتے ہیں جو اس کے ہاں معتبر ہیں۔ اس کے ہاں کا ایک دن انسانی تقویم کے حساب سے نہ کرو ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے دنوں اور سالوں کو لوگ اپنے محدود پیمانوں سے نہ تپیں۔ انسان کی یہی تنگ نظری اس کو خدا کے فیصلوں کے بارے میں بے صبر اور جلد باز بنا دیتی ہے، وہ ہر مسئلے میں سہیلی پر برسوں جمانے کی کوشش کرتا اور اس بات کو بھول جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے الگ الگ عالم بنائے ہیں اور ہر ایک کا مدار اور نظام الگ الگ ہے۔ ہم نہ تو اس کی کائنات کے سارے بھیدوں کو جان سکتے اور نہ اپنے دنوں اور اپنی گھڑیوں سے اس کے دنوں کا حساب کر سکتے۔ سورہ حج میں اسی حقیقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے:

وَلَا يَخْلُقُ اللَّهُ دَعْدَاكَ طَوَلَاتٍ
وَلَا يَسْتَعِجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَ
وہ تم سے عذاب کے کیے جلدی چلائے ہوئے ہیں
حالانکہ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرنے والا

یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَنَّ
سَنَةً مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝
نہیں ہے۔ اور واضح رہے کہ تمہارے رب کے
ہاں کا ایک دن تمہارے شمارے ہزار سالوں کے برابر
ہوتا ہے۔ (الحج - ۲۲: ۴۷)

مطلب یہ ہے کہ تمہارے پیہ نے بہت چھوٹے ہیں۔ تم ہر وعدے اور ہر وعید کو اپنے دنوں کے
حساب سے جانچتے ہو اس وجہ سے تمہیں محسوس ہوتا ہے کہ فلاں وعدے پر بڑی طویل مدت گزر گئی اور وہ
پورا نہیں ہوا حالانکہ خدائی دنوں کے حساب سے ابھی اس پر سینکڑے یا منٹ سے زیادہ وقت نہیں گزرا
ہوتا۔

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ الرَّائِيَةُ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (۴)

یہ اللہ تعالیٰ کے ذی المعارج ہونے کی وضاحت ہے کہ اس کی بارگاہِ بلند تک پہنچنے کے لیے
فرشتوں اور جبریلؑ کو بھی پچاس ہزار سال کے برابر کا دن لگتا ہے۔ معارج کے معنی زمیوں اور سیڑھیوں
کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ وراہ الوراہ اور دراز الوراہ ہے۔ اس تک رسائی کے لیے دوسروں کا تو کیا ذکر
ملائکہ اور جبریلؑ تک کا یہ حال ہے کہ اس راہ کے مراحل طے کرنے کے لیے انہیں پچاس ہزار سال کے برابر
کا دن لگتا ہے۔

یہ باتیں تشابہات کی نوعیت کی ہیں۔ ان کی اصل حقیقت کا ادراک ہمارے لیے ناممکن ہے مگر
ان سے نہت یہ تصور دینا ہے کہ خدا کے معاملات کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ اس کے ہاں کا ایک دن
تمہارے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے اور بعض کاموں کے لیے اس نے پچاس ہزار سال کے برابر کے
دن بھی رکھے ہیں۔ آیت زیر بحث میں اسی خاص دن کی طرف اشارہ ہے۔

’روح‘ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ان کی عظمتِ شان کے
پہلو سے ہے اس لیے کہ وہ تمام ملائکہ کے سرخیل ہیں۔ یہ لفظ قرآن میں حضرت جبریل علیہ السلام کے لیے
آیا ہے۔

بعض لوگوں نے اس دن سے مراد قیامت کے دن کو لیا ہے اور اس کا یہ طول ان کے نزدیک اس
کے ہول اور شدت کی تعبیر ہے۔ ہمارے نزدیک یہ رائے موقع و محل کے بھی خلاف ہے اور عر بیت
کے بھی۔ بیان مقصود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی بلندی کا اظہار ہے نہ کہ روز قیامت کی شدت کا۔ روز قیامت
کی شدت اور اس کے ہول کا ذکر آگے آیا ہے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ ہر چند خدا کی بارگاہ بہت بلند ہے، وہ تمام خلق سے وراہ الوراہ ہے
لیکن وہ ساتھ ہی ہر شخص کی شرگ سے بھی قریب ہے۔ وہ سب کو دیکھتا، سب کی سنتا اور سب کی نگرانی
کر رہا ہے۔ ہم اگرچہ اس کو دیکھنے سے قاصر ہیں لیکن وہ ہم کو ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ ہماری نگاہیں اس کو

نہیں پاسکتیں لیکن وہ ہماری نگاہوں کو پالینا ہے۔ لَا تَدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (الانعام - ۶: ۱۰) اس وجہ سے نہ تو اس سے کسی کو بے خوف ہونا جائز ہے نہ مایوس۔

یہی حال فرشتوں کا ہے۔ ان کو اگرچہ اس تک صعود کے لیے پچاس ہزار سال کے برابر کا دن گنتا ہے لیکن اس کے باوجود تمام ملائکہ ہر وقت اس کی نگاہوں میں ہیں۔ وہ جب چاہے ان کو حکم دے سکتا ہے اور جب چاہے ان کو کپڑے سکتا ہے۔

فَأَصْبَحُ صَبًّا جَمِيلًا ۚ إِنَّهُمْ يُرَوْنَهُ بِعَيْدَاهُ ۚ وَنَوْمُهُ قَرِيبًا (۵۰)

غذاب کے لیے جلدی مچانے والوں کے مقابلہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جو روئے اختیار کرنا چاہے یہ اس کا بیان ہے۔ فرمایا کہ ان کی جلد بازی اور ان کے استہزاء پر خوبصورتی اور وقار کے ساتھ صبر کرو۔ خوبصورتی کے ساتھ، کا مطلب یہ ہے کہ ان کے رویے سے نہ تو دل شکستہ اور مایوس ہونہ ان کے جواب میں کوئی عاجلانہ قدم اٹھاؤ اور نہ اپنے موقف میں کوئی کمزوری پیدا ہونے دو۔ مختلف صورتوں میں صبر کی ہدایت کے ساتھ ان باتوں کی طرف اشارے بھی فرمادیے گئے ہیں جو صبر کو صبر جمیل بنانے کے لیے ضروری ہیں۔

إِنَّهُمْ يُرَوْنَهُ بِعَيْدَاهُ ۚ وَنَوْمُهُ قَرِيبًا یعنی ان لوگوں کی نظر بہت محدود ہے اس وجہ سے یہ اس غذاب کو جس سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے بہت دور خیال کر رہے ہیں حالانکہ ہم اس کو بہت قریب دیکھ رہے ہیں اور اصل دیکھنا ہمارا دیکھنا ہے۔ اگر ان کے اندر بھی بصیرت ہوتی تو یہ بھی اس کو قریب ہی دیکھتے لیکن ان کی آنکھوں پر ٹپی بندھی ہوئی ہے اس وجہ سے انھیں قریب کی چیز دور دکھائی دے رہی ہے۔ وہ دن آئے گا تو یہ ٹپی کھل جائے گی اور ہر شخص دیکھ لے گا کہ جس چیز کو وہ بہت دور سمجھا تھا وہ نہایت قریب نکلی۔ فَبَصُرْنَا الْيَوْمَ حَدِيدًا (نہ - ۵۰: ۲۲) (پس آج تو تیری نگاہ بہت تیز ہے) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ امر بیاں ملحوظ رہے کہ جن کی نگاہوں میں بصارت کے ساتھ بصیرت ہوتی ہے وہ اس مغالطہ میں مبتلا نہیں ہوتے۔ صاحب بصیرت اللہ کی روشنی سے دیکھتا ہے اس وجہ سے جس طرح اللہ تعالیٰ اس دن کو قریب دیکھتا ہے اسی طرح مومن بھی اس کو قریب ہی دیکھتا ہے۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْهَيْلِ ۚ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ (۸-۹)

یہ قیامت کی پہلی اور اس کے ہول کی تصویر ہے تاکہ جو لوگ اس کو بصیرت کی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے ہیں وہ اس تصویر کو دیکھ کر اس سے کچھ عبرت پکڑیں۔ فرمایا کہ اس دن آسمان تیل کی تلچھٹ کے مانند ہو جائے گا اور پہاڑ دھنی ہوئی اُون کے مانند۔

لفظ 'هَيْلٌ' مختلف معانی میں آتا ہے۔ سورہ کہف میں یہ لفظ گزر چکا ہے وہاں مناسب موقع

معنی کی وضاحت ہم نے کر دی۔ یہ تیل اور تیل کی تلچھٹ کے معنی میں بھی آیا ہے۔ یہ معنی لیجیے تو مقصود آسمان کی رنگت کو تیل کی سرخ سیاہی مائل تلچھٹ سے تشبیہ دینا ہوگا۔ سورہ رحمان میں بھی آسمان کی سرخی کا ذکر آیا ہے: فَكَأَنَّمَا كَانَتْ هَابًا (المرحمت - ۵۵: ۳۷) (وہ کھال کی مانند سرخ ہوگا) وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ، لفظ عِهْن کے معنی اون کے ہیں اور اس سے مراد یہاں دھنی ہوئی اون ہے، جیسا کہ سورہ قارع میں فرمایا ہے: وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (القاعدة - ۱۰۱: ۵) (اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کے مانند ہو جائیں گے)۔

یہ اس حال قیامت سے تعلق رکھنے والی باتیں ہیں جو از قبیل تشابہات ہیں۔ ان کی اصل حقیقت یہاں سمجھ میں نہیں آسکتی۔ لیکن ذہن اس طرف جانا ہے کہ آسمان کی سرخی تقسیم ہوگی جہنم کے شعلوں کے بھڑکنے کا اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کے مانند پرگندہ کر دیے جائیں گے تاکہ جو لوگ پہاڑوں کو لازوال سمجھتے رہے ہیں وہ ان کی بے ثباتی کا شاہدہ کر لیں۔ ظاہر ہے کہ جب پہاڑوں کا یہ حال ہوگا تو دوسری چیزوں کا کیا ذکر! یہ باتیں ان نادانوں کی تشبیہ کے لیے سنائی گئی ہیں جن کو اپنی قوت و جمعیت اور اپنے قلعوں اور گڑھیوں پر بڑا ناز تھا۔ معلوم ہوا کہ اس دن سارا شیرازہ درہم برہم ہو جائے گا اور ایک نیا عالم بالکل نئے قوانین و قوانین کے ساتھ ظہور میں آئے گا۔

وَلَا يَسْأَلُ حَسِيمٌ حَمِيمًا (۱۰)

یعنی اس دن ہر شخص پر ایسی نفسی نفسی کی حالت طاری ہوگی کہ جو عمر بھر اس دنیا میں باہم دگر جگری دوست بنے رہے اور جنھوں نے ایک دوسرے کی خاطر اپنی جان اور اپنے مال سب کچھ قربان کیے اس دن اس طرح آنکھیں پھیر لیں گے کہ کوئی کسی کا حال پوچھنے کا بھی روادار نہ ہوگا۔

اس دن کی
نفسی نفسی کی
تصویر

يَبْصُرُونَ نَارًا لَّهُمْ لِيَوْمَئِذٍ كَأَنَّهُمْ يُوقَدُونَ عَذَابًا يَوْمَئِذٍ يَبْصُرُونَ نَارًا لَّهُمْ لِيَوْمَئِذٍ كَأَنَّهُمْ يُوقَدُونَ عَذَابًا يَوْمَئِذٍ يَبْصُرُونَ نَارًا لَّهُمْ لِيَوْمَئِذٍ كَأَنَّهُمْ يُوقَدُونَ عَذَابًا

یعنی اس دن وہ ایک دوسرے سے اوجھل نہیں ہوں گے کہ ان کے اندر حمیت و حمایت کا جذبہ نہ ابھرے۔ بلکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے اور یہ ساری مصیبت ان پر ایک دوسرے کی آنکھوں کے سامنے گزرے گی لیکن وقت ایسی نفسی نفسی کا ہوگا کہ کوئی کسی کا پوسان حال نہ ہوگا۔ سورہ عیس آیت ۳۴ میں بھی یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ وہاں، ان شاء اللہ، اس کی پوری وضاحت ہو جائے گی۔

يَوْمَئِذٍ يَبْصُرُونَ نَارًا لَّهُمْ لِيَوْمَئِذٍ كَأَنَّهُمْ يُوقَدُونَ عَذَابًا يَوْمَئِذٍ يَبْصُرُونَ نَارًا لَّهُمْ لِيَوْمَئِذٍ كَأَنَّهُمْ يُوقَدُونَ عَذَابًا

وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤَيَّبُ ۗ وَ مَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا لَا تُهْمُ إِلَيْهِ ۗ وَ مَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا لَا تُهْمُ إِلَيْهِ ۗ وَ مَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا لَا تُهْمُ إِلَيْهِ ۗ

ہونا کہ ہوگا کہ گنہگار متمنی ہوں گے کہ کاش! اپنے محبوب سے محبوب عزیزوں کو فدیہ میں دے کر اس سے اپنے کو چھڑا سکیں تو چھڑا لیں۔ باپ اپنے بیٹوں کو فدیہ میں دے دینا چاہیں گے، شوہر اپنی بیوی

بھائی اپنے بھائی، صاحب کتب اپنے کتبہ و خاندان بلکہ زمین کی ساری مخلوق کو چاہے گا کہ فدیہ میں دے کر اس عذاب سے اپنی جان بچا لے جائے۔ لیکن یہ تمنا تمنا ہی رہے گی۔ اس دن نہ کسی کے پاس کوئی چیز فدیہ میں دینے کے لیے ہوگی اور نہ کسی کا کوئی فدیہ قبول ہوگا بلکہ ہر ایک کو وہ عذاب بھگتنا پڑے گا جس کا وہ مستحق ٹھہرے گا۔

غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اس آیت میں وہ تمام رشتے مذکور ہوئے ہیں جن کے لیے آدمی میں فطری محبت اور حمایت و مدافعت کی گہری حکمت ہوتی ہے۔ کتبہ و خاندان کے ذکر کے ساتھ خاص طور پر اس کی صفت 'تَوْبِيهٌ' آئی ہے یعنی جو خاندان زندگی بھر اس کا بلجا و ماہن رہا، جس نے دشمنوں سے اس کی حفاظت کی اور جس کی مدافعت میں وہ خود عمر بھر سرکف رہا، اس کو بھی وہ فدیہ میں دے کر اپنے کو بچانے کی تمنا کرے گا۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ بددیانہ دور زندگی میں خاندان اور قبیلہ کی حفاظت و مدافعت کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ جو شخص قبیلہ و خاندان کی مدافعت میں سرکف رہتا وہ ہیرو سمجھا جاتا اور جو قبیلہ کے مفاد کو اپنے مفاد پر قربان کرتا یا کسی خطرے کے وقت اس کی مدافعت سے جی چراتا نہ وہ خود کہیں منہ دکھانے کے قابل رہتا نہ اس کی آئندہ نسلیں۔

كَلَّا إِنَّهَا لَنَطْفٍ ۖ لَنُرَاعِعُهُ ۖ لَئِنَّ شَوْىٰ (۱۵-۱۶)

یعنی اس عذاب سے بچنے کی یہ تمنا کبھی پوری نہیں ہوگی۔ اس کے شعلے دور ہی سے مجرم کی چڑھی اس دن کسی کے لیے کوئی ادھیڑیں گے۔

کَلَّا ان مجرموں کی تمنا کی تردید کے لیے ہے جو مذکور ہوئی۔ یعنی ان کی عذاب سے بچنے کی یہ تمنا ہرگز پوری نہ ہوگی۔

'إِنَّهَا لَنَطْفٍ'۔ 'رُاعِيَ' میں ضمیر کا مرجع وہی عذاب ہے جو مذکور ہوا۔ اس سے مراد چونکہ عذاب نار ہے اس وجہ سے ضمیر مؤنث آئی۔ 'نَطْفٍ' کے معنی شعلے کے ہیں۔ 'شَوْىٰ' سر اور اطرافِ بدن کی کھال کے لیے آتا ہے۔ یعنی اس آگ کے شعلوں کی لپٹ ایسی ہوگی کہ دور ہی سے مجرموں کی کھڑکی کھینچ لے گی۔

'نُرَاعِعُهُ' کو خبر کے بعد دوسری خبر بھی مان سکتے ہیں اور حال بھی۔ دونوں ہی صورتوں میں کوئی قابلِ لحاظ فرق معنی میں پیدا نہیں ہوگا۔

سَدُّ عُوْمَانَ ۖ أَدْبَدَ وَتَوَاتَىٰ (۱۷)

یعنی آج تو اللہ کی بندگی، اس کے عذاب سے بچنے اور اس کی راہ میں انفاق کی دعوت دی جاتی ہے تو لوگ پیٹھ پھیرتے اور اعراض کرتے ہیں لیکن اس دن جہنم کے عذاب سے پیٹھ پھیرنے اور اعراض

کرنے کا کوئی امکان نہ ہوگا۔ جہنم سارے اعراض و انکار کرنے والوں کو کھینچ بلائے گی۔ لفظ 'تَدْمِدُوا' یہاں نہایت بلیغ ہے۔ یعنی پیغمبر کی پُر محبت دعوت جن کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہو رہی ہے وہ یاد رکھیں کہ ان شک دلوں کو ایک دن جہنم بلائے گی اور اس طرح بلائے گی کہ کسی کے لیے بھی کوئی راہ فرار باقی نہیں رہے گی۔

وَجَبَّحَ فَادْعَى (۱۸)

یہ خاص طور پر نجیلوں کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ایمان بالآخرت اور انفاق کی دعوت سب سے شاق انہی کے دلوں پر گزرتی ہے۔ آخرت کی تلاش کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنا مال اس دنیا کی تجزیہ میں بند رکھنے کے بجائے خدا کے نیک میں جمع کرے۔ نجیل اس کو خسارے کا سودا سمجھتا ہے۔ نہ وہ جزاء و سزا پر اعتقاد ہی رکھتا اور نہ آخرت کے نسیبہ کی خاطر اپنا نقد مال قربان کرنے کا وہ حوصلہ ہی اپنے اندر پاتا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی مخالفت میں نجیل سب سے پیش پیش رہے ہیں۔ بخلت اور جزاء و سزا کی تکذیب دونوں باتیں لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہے: 'أَدَايْتُ الَّذِينَ يُكَذِّبُ بِالْآيَاتِ ۚ فَذَلِكَ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ ۖ وَلَا يُعْضِ عَلَىٰ طَعْمًا وَالْمَشْكِينِ (الماعون: ۱۰-۱۱-۱۲)۔' (۳-۱)

دیکھا اس کو جو جزا کو جھٹلاتا ہے! وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھلانے پر لوگوں کو نہیں ابھارتا۔

جَمَعَهُ کے ساتھ 'فَادْعَى' کے لانے سے مقصود اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ انھوں نے آنکھیں بند کر کے حرام و حلال ہر راہ سے، مال جمع بھی کیا اور پھر اس کو نہایت اہتمام سے گن گن کر محفوظ بھی کیا۔ دوسرے مقام میں نجیلوں کی اسی خصلت کو 'جَمَعَهُ مَالًا وَعَمَلًا دُكًا (المہزذہ: ۲۰-۲۱) (مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا) سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا کہ اس طرح کے نجیلوں کو بھی جنھوں نے جزا پر ایمان نہ رکھنے کے سبب سے پیغمبر کی دعوت انفاق سے اعراض کیا اس دن جہنم کی آگ کھینچ بلائے گی۔

رَأَى الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۖ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا (۱۹-۲۱)

'ہلوع' کے معنی جلد باز، بے صبرے اور ٹھہر دے کے ہیں۔

لفظ 'الإنسان' اگرچہ عام ہے لیکن یہاں اس سے اشارہ انہی انسانوں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے کہ اللہ نے ان کو ہمت دی تو اس کی قدر کرنے کے بجائے عذاب کی جلدی مچائے ہوئے ہیں اور ابھی پکڑ میں آجائیں تو داد پلا شروع کر دیں گے۔ خداتے مال دیا ہے تو اس سے آخرت کی کمائی کرنے کے بجائے اس پر مار گینج بن کر بیٹھ گئے ہیں، اس کو اپنی قابلیت و ذہانت کا ثمرہ اور اپنے استحقاق کا کرشمہ سمجھ رہے ہیں اور اس گھمنڈ میں مبتلا ہیں کہ یہ جو کچھ انھیں حاصل ہے اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا کے منظور نظر ہیں اس وجہ سے انھیں یہ برابر حاصل رہے گا اور اگر آخرت ہوئی تو

نجیلوں کا

انجام

عام لفظ سے

نام گروہ کی

طرف اشارہ

وہاں اس سے بھی زیادہ ان کے لیے محفوظ ہے۔ لیکن ابھی کوئی اقتاد پیش آجائے تو فوراً مایوس اور دل شکستہ ہو کر فادیلہ شروع کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی تسخیر اور اکڑ کی پروا نہ کرو۔ یہ نہایت اوجھے اور تھوڑے لوگ ہیں۔

کسی خاص جماعت کو جب اس طرح کسی عام لفظ سے ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مقصود، جیسا کہ اس کے محل میں ہم واضح کر چکے ہیں، بے اعتنائی بلکہ اس کی تحقیر کا اظہار ہوتا ہے۔ گریبا متکلم نے اس کو اس قابل نہیں سمجھا کہ اس کو مخاطب کرے یا اس کی طرف اشارہ بھی کرے۔ یہ اسلوب بیان ہماری اپنی زبان میں بھی معروف ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا، اسی طرح کا اسلوب بیان ہے جس طرح سورہ انبیاء آیت ۲۱ میں داعیات میں خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ، یا سورہ نبی اسرائیل آیت ۱۱ میں وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا، آیا ہے۔ انسانی فطرت کے اندر جس طرح شہوت، غضب، حرص اور اس قبیل کے دوسرے داعیات کا ایک مقام ہے اسی طرح عجلت کا بھی ایک موقع و محل ہے۔ یہ شے بجائے خود مذموم نہیں ہے۔ مذموم اگر ہے تو اس کا بے محل یا غیر معتدل ظہور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو متفاد داعیات کی کشمکش میں پیدا کر کے اس سے یہ چاہا ہے کہ وہ خدا کے احکام کے مطابق، جن کی تعلیم اس کو نبیوں کے ذریعہ سے دی گئی ہے، ان کے اندر توازن و ہم آہنگی پیدا کرے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور اس کے قوانین کا تابع بنائے۔ اس امتحان میں کامیابی ہی پر انسان کی تمام اخروی سعادت کا انحصار ہے۔ اختیار کا شرف بھی اس کو اس امتحان کے لیے عطا ہوا ہے۔ یہ امتحان مقصود نہ ہوتا تو انسان کو اختیار سے مشرف کرنے کے کوئی معنی بھی نہ ہوتے اور اس کو دوسری مخلوقات پر برتری حاصل کرنے کی بھی کوئی وجہ نہ ہوتی۔

آیت میں جس چیز کو ہلع سے تعبیر فرمایا گیا ہے یہ بھی جلد بازی اور بے صبری ہی کی ایک شکل ہے۔ اگر یہ چیز انسان پر اس طرح غالب ہو جائے کہ دوسرے مقابل داعیات اس سے آگے منسوب ہو جائیں تو ایسی صورت میں یہ کہنا بالکل مطابق حال ہوتا ہے کہ اس کی تخلیق گریبا اسی عنصر سے ہوئی ہے۔ ہانڈی میں نمک ناقابل برداشت حد تک زیادہ ہو جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہانڈی نمک ہی سے تیار ہوئی ہے۔

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۗ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ (۲۲-۲۳)

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس عدم توازن یا بے راہ روی سے پاک ہیں جس کا ذکر اوپر ہوا۔ فرمایا کہ نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

عدم توازن سے پاک گودہ

اس سے معلوم ہوا کہ نفس کے متضاد داعیات میں صحیح توازن اور نقطہ اعتدال پیدا کرنے میں اولین عامل کی حیثیت نماز کو حاصل ہے۔ جو شخص اپنی تربیت اس طرح کرنا چاہے کہ شیطان اس کو

کسی بے راہ روی میں مبتلا نہ کرنے پائے اس کے لیے سب سے اول شے نماز کا اہتمام ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص اس مقصد میں کامیابی نہیں حاصل کر سکتا۔

رہا یہ سوال کہ نماز میں وہ کیا چیز ہے جس کے سبب سے اس مقصد تربیت میں اس کو اولیت حاصل ہے تو یہاں اس کے تفصیلی جواب کا محل نہیں ہے۔ اس کے جواب میں ہم نے حقیقت نماز کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا ہے تفصیل کے طالب اس کا مطالعہ کریں۔ یہاں ہم اس کے صرف انہی پہلوؤں کو فریخت لائیں گے جن کی طرف قرآن نے اس مقام میں اشارہ کیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ - فرمایا کہ اس مقصد کے لیے انہی نمازیوں کی ناز کار آمد ہے جو اپنی نمازوں کی مداومت رکھتے ہیں۔ یہ ایک نہایت اہم تنبیہ ہے۔ قرآن میں ایسے لوگوں کا بھی مختلف پیراں سے ذکر ہوا ہے، جن کا حال یہ ہے کہ یوں تو ان کو کبھی ذکر الہی یا سجدہ کی توفیق نہیں ہوتی لیکن ان پر کوئی مصیبت آجائے تو بڑے نمازی اور بڑی لمبی لمبی دعائیں کرنے والے بن جاتے ہیں۔ پھر جو نہی وہ مرہ گزر جائے وہ کان جھاڑ کے اس طرح اس سے الگ ہو جاتے ہیں گویا خدا سے نہ کبھی ان کو کوئی سابقہ پڑا ہے اور نہ اب آئندہ کبھی پڑنے والا ہی ہے۔ اس طرح کی نساہ چونکہ اسی عدم توازن کا ایک منظر ہے جس کا یہاں علاج بتایا جا رہا ہے اس وجہ سے یہ نماز ان کی تربیت میں کچھ نافع نہیں ہوتی۔ نافع وہ نماز ہوتی ہے جس کی مداومت کی جائے اور گرم دسر دہر طرح کے حالات میں اس کی پابندی قائم رہے۔ پابندی کے ساتھ تھوڑا عمل اس عمل سے کہیں زیادہ بابرکت ہے جو اگرچہ مقدار میں زیادہ ہو لیکن وہ محض وقتی اور ہنگامی ہو۔ ایک زور کا دو ٹکڑا برس کر اگر ابر طویل عرصے کے لیے غائب ہو جائے تو فصلیں سوکھ کر تباہ ہو جاتی ہیں، برعکس اس کے تھوڑی بارش بھی جھڑی کی شکل میں قائم و دائم رہے تو وہ کھیتوں کو شاداب رکھتی اور فصلوں کو بار آور کرتی ہے۔ یہی حال نماز کا بھی ہے۔ دین کا جو عام مطالبہ ایک مسلمان سے ہے اگر وہ اسی کو پابندی اور تسلسل کے ساتھ پورا کرے تو اس کے عمل میں جو برکت ہوگی وہ ان لوگوں کے عمل میں نہیں ہوگی جو گاہ گاہ تو بڑے نمازی بن جاتے ہیں لیکن پھر اس طرح بھول جاتے ہیں کہ مسجد کی صورت بھی نہیں دیکھتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو جھڑی سے تشبیہ دیا ہے۔ یعنی آپ جو عمل کرتے اس کی مداومت فرماتے اگرچہ اس کی مقدار تھوڑی ہو۔ عمل کی یہی مداومت اس کے اندر قوت، روح اور زندگی پیدا کرتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّمَوْلٰٓئِهِمْ رَلَسَّ اٰلٍ وَّالْمَحْرُوْمِ (۲۴-۲۵)

یہ دین کے دوسرے بازو یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں انفاق کا بیان ہے۔ ہم جگہ جگہ یہ واضح کر چکے ہیں کہ دین کے اعمال میں نماز اور انفاق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ نماز بندے کو خدا سے

نماز صحیح توازن

پیدا کرتی ہے

عمل کے اندر

روح مداومت

سے پیدا ہوتی ہے

نماز صحیح توازن

دین کا دوسرا

بازو ہے

جوڑتی ہے اور انفاق سے اس کا تعلق بنی زورِ آدم سے صحیح بنیاد پر استوار ہوتا ہے۔

حَقٌّ مَّعْلُومٌ کے الفاظ سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اس سے زکوٰۃ ہی مراد ہو۔ زکوٰۃ کا سبب ایک معین شرح نصاب کے ساتھ تو مدنی دور میں نافذ ہوا اور یہ سورہ مکی ہے، بلکہ اس سے مراد اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ان کا انفاق محض رسمی طور پر چھدا اتارنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک حق واجب کی حیثیت سے، ایک معلوم مقدار میں، اپنے مال کا ایک حصہ خدا کی راہ میں دیتے ہیں۔

یہ امر یہاں واضح رہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ زکوٰۃ اور انفاق سے نا آشنا نہیں تھے۔ زمانہ جاہلیت میں زکوٰۃ کا سورہ انعام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین بھی خدا کا حق اپنے مال میں سے نکالتے تھے لیکن اپنے مشرکانہ مروجہات کے تحت اس میں انہوں نے اپنے معبودوں کو بھی شریک کر رکھا تھا۔ خلیفیت کے پیر ترخالص موجد تھے اس وجہ سے وہ جو کچھ بھی نکالتے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے حق کی حیثیت سے نکالتے ان کے درمیان حضرت اسماعیل علیہ السلام سے متعلق یہ روایت موجود تھی کہ **وَكَانَ يَا مُدَاهِلًا** بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ (مریم - ۱۹: ۵۵) اور وہ اپنے لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ اس وجہ سے یہ تصور صحیح نہیں ہے کہ اسلام سے پہلے اہل عرب انفاق فی سبیل اللہ کی کسی معین شکل سے بالکل نا آشنا تھے۔ مدنی دور میں زکوٰۃ کی جو شرح معین ہوئی وہ اس شرح سے مختلف تو ہو سکتی ہے جو لوگوں میں پہلے رائج رہی ہو لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زمانہ جاہلیت کے نیکوں کے اندر بھی زکوٰۃ کی ایک معینہ شکل معروف تھی۔ چنانچہ اسی وجہ سے مکی سورتوں میں بھی زکوٰۃ کا لفظ بار بار آیا ہے یلت ابراہیم کی دوسری تعلیمات کی طرح یہ زکوٰۃ بھی بدعات کے حجاب میں گم تھی لیکن اس کا نام باقی تھا، اسلام نے اس کو اجاگر اور اذکار اس کی کامل صورت میں اسلامی معاشرے کے اندر نافذ کیا۔

رَلَسَّ اِیْلَ ذَا الْمَحْرُومِ مَسْاِیْلٌ سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کے آگے دست سوال پھیلاتا ہے۔ اس کا یہ عمل ہی گواہ ہے کہ وہ محتاج ہے اس وجہ سے مدد کا مستحق ہے۔ ایسے مسکینوں کے متعلق زیادہ تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔ آدمی جو کچھ دے سکے وہ دے دے، نہ دے سکے تو شائستہ طریق سے معذرت پیش کر دے۔ ان کو جھڑکنا یا ملامت کرنا جائز نہیں ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ یہاں سچے نمازیوں کی یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ ان کے مال میں مسکینوں کا ایک معین حق ہوتا ہے۔

مَحْرُومٌ سے مراد ترخا ہر ہے کہ وہ شخص ہے جو وسائلِ معاش سے محروم ہو لیکن یہاں یہ لفظ چونکہ مسائل کے ساتھ آیا ہے اس وجہ سے اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ وہ محروم ہونے کے باوجود لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرنے کا ہنگامہ گزارنا کرتا ہو۔ بعض تادار ایسے خود دار ہوتے

ہیں جو ناقے کرتے ہیں لیکن سوال کی ذلت گوارا نہیں کرتے۔ خاص طور پر وہ مصیبت زدہ جو پہلے صاحب حیثیت رہے ہوں پھر گردشِ رزقگار کے ہاتھوں نانِ شبینہ کے محتاج ہو گئے ہوں۔ اس طرح کے خود راغظ محروم، کے اصلی مصداق ہیں۔ ان کی مدد ان کو تلاش کر کے بلکہ ان کے آگے، جیسا کہ بعض آیات سے اشارہ نکلتا ہے، جھک کے کرنی پڑتی ہے۔ اس لیے کہ ان کی بلند ہمتی کسی کے آگے جھکنے گوارا نہیں کرتی۔ ع

ہمت نہ خوردمیشترا ولا ونعم را

وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۗ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ عَذَابٍ رَّئِيهِمْ مُشْفِقُونَ (۲۶-۲۷)

یہ ان کے اس انفاق کے محرک کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ یہ لوگ روز جزا پر ایمان رکھتے ہیں اس وجہ سے انھوں نے اپنے مال میں غریبوں اور محتاجوں کا ایک حق معین کر رکھا ہے۔ اور ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لیے غریبوں اور محتاجوں کا حق پہچانا نہایت مشکل ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: **أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَيِّدُ بِالَّذِينَ هُوَ كَذَلِكَ الَّذِي يُدْعُ الْيُسْتَيْمُ (السمعون - ۱۰۷: ۱-۲)** (بھلا دیکھا تم نے اس کو جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے، وہی ہے جو تم کو دھکے دیتا ہے)۔

انفاق کا

اصل محرک

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ عَذَابٍ رَّئِيهِمْ مُشْفِقُونَ ۗ اسی تصدیق بیوم الدین کی وضاحت ہے کہ وہ جزا اور

سزا پر ایمان رکھتے ہیں اس وجہ سے اپنے رب کے عذاب سے برابر لڑاں دترساں رہتے ہیں۔ ان کے اس باطن پر سورہ دہر میں یوں روشنی ڈالی گئی ہے: **يُؤْتُونَ بِاللَّذَّةِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَتْ سُوءًا مَسْطُورًا ۗ وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حَيْثُ مَسْكُونًا ۗ وَيَتِيْسًا ۗ وَاسِيرًا ۗ اِنَّمَا نَطْعَمُكُمْ لِيُوجِبَ اللّٰهُ لَانْرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً ۗ وَلَا شُكْرًا ۗ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا (الدھر - ۷۶: ۷-۱۰)** (وہ اپنی نذریں پوری کرتے اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی آفت ہمہ گیر ہوگی اور مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں، اس کی کمیابی اور اس کے ضرورت مند ہونے کے باوجود۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف رضائے الہی کے لیے کھلاتے ہیں، تم سے کسی بدلے یا شکرگزاری کے خواباں نہیں ہیں۔ ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت منحوس قسم کے دن کا اندیشہ رکھتے ہیں)۔

انفاق کا یہی محرک فطری بے ریا، بے غرض اور پاکیزہ محرک ہے اس وجہ سے قرآن نے اسی کو اجاگر کیا ہے۔ اس کے سوا جو دوسرے محرکات ہیں یا جو مصنوعی طور پر پیدا کیے جاتے ہیں وہ تمام تکرار و باری محرکات ہیں جن سے نہ تو نفس کی کوئی اصلاح ہوتی ہے اور نہ ان کے تحت کیا ہوا انفاق خدا کے ہاں مقبول ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت پیچھے بھی ہو چکی ہے اور آگے بھی اس کے بعض اہم

پہلو ان شاعرانہ روشنی میں آئیں گے۔

رَأَتْ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَا مُوِنَ (۲۸)

یہ اوپر والے ٹکڑے پر نہایت بلیغ استدراک ہے کہ جو لوگ اپنے رب کے عذاب سے اس طرح لڑناں و ترساں ہیں وہ بڑے ہی دانش مند ہیں۔ ان کے رب کا عذاب چیز ہی ایسی ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے بے خوف نہ رہا جائے۔ نہیں معلوم وہ کس وقت آدھکے اور جیب بھی آدھکے کوئی نہیں ہے جو اس کو ٹال سکے یا تھوڑی دیر کے لیے اس کے رخ ہی کو موڑ سکے۔ اس سے مسلم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی سب سے مؤثر تدبیر کوئی ہے تو وہ غریبوں مسکینوں کو کھانا پینا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوبِهِمْ حَافِظُونَ ۗ اِلَّا عَلَىٰ اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۗ فَمِنْ اَسْخَىٰ وَاَعْزَلَكَ تَاوَلِيكَ هُمُ الْعَادُونَ (۲۹-۳۱)

نمازہ انفاق اور خشیت الہی کے بعد یہ ان کے اخلاق کی طہارت کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ وہ سائڈ بن کر تمام حدود و اہلی کو ٹوڑناڑ کر رکھ دیں۔ وہ اپنی جنسی خواہشوں کو اپنی بیویوں اور لونڈیوں تک محدود رکھتے ہیں۔ اس حد سے تجاوز کرنے کی جبارت نہیں کرتے۔ اور جو لوگ اس سے تجاوز کرتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے حدود سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ حدود الہی سے تجاوز کی سزا بھگتیں گے اس لیے کہ خدا اپنے حدود کی بے حرمتی کرنے والوں سے ضرور انتقام لے گا۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأْمْنِيَّتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (۳۲)

یہ ایک ہی جامع بات بہت سی نیکیوں کا شیرازہ ہے۔ فرمایا کہ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں؛

لفظ امانت، محدود معنی میں نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھا ہے، بلکہ انسان کی عقلی قوتیں اور صلاحیتیں ہیں اور جن اسباب و وسائل سے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو بہرہ مند فرمایا ہے، وہ سب اس کی تحویل میں امانت ہیں اور ایک دن ان میں سے ایک ایک کی بابت اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ ان کے استعمال میں کوئی خیانت تو نہیں کی گئی ہے؛ قرآن میں تصریح ہے کہ سمع و بصر اور عقل و دل کی تمام صلاحیتوں سے متعلق ایک دن پرسش ہوتی ہے اور جس نے بھی کوئی خیانت کی ہوگی وہ اس کی سزا بھگتے گا۔ اسی طرح یہ بھی تصریح ہے کہ قیامت کے دن ہر نعمت سے متعلق سوال ہوگا۔

اسی طرح لفظ 'عہد' بھی یہاں وسیع معنوں میں ہے۔ وہ عہد بھی اس میں شامل ہے جو باہمی قول و قرار سے ہمارے اندر وجود میں آتا ہے، وہ عہد بھی اس میں شامل ہے جو اگرچہ قول و قرار سے وجود میں نہیں آتا لیکن ہرچھے معاشرے میں وہ مسلم اور معروف ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری فطرت سے جو عہد لیا ہے وہ بھی اس میں شامل ہے اور سب سے زیادہ اہم حصہ اس کا وہ عہد و میثاق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے سے ہم سے لیا ہے اور جس کی دفعات نہایت وضاحت سے شریعت میں مرقوم ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَاتِلُونَ (۲۳)

جس طرح اور پر والی آیت میں امانت اور عہد کے الفاظ وسیع معنوں میں استعمال ہوئے ہیں اسی طرح لفظ 'شہادت' اس آیت میں وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ہر شخص چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی اس شہادت کے ادا کرنے کا ذمہ دار ہے جس کا بار اس نے اپنے سر لیا ہے اور اس شہادت کبریٰ کے ادا کرنے کا بھی ذمہ دار ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اس کو لیتا تو شہداً علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیداً (البقرہ - ۱۲۰، ۱۳۳) وال آیت میں مامور فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ (۲۴)

اب یہ آخر میں نماز کا پھر ذکر فرمایا۔ آیات ۲۲-۲۳ میں نماز ہی سے ان صفات کے بیان کا آغاز فرمایا تھا اور اب اسی پر اس باب کو ختم کیا جس سے یہ بات بالبدایت نکلتی ہے کہ نماز ہی ان تمام نیکیوں کا منبع بھی اور وہی ان کی محافظ بھی ہے۔ گویا تمام دین و اخلاق کے لیے نماز کی حیثیت حصا کی ہے۔ جس نے اس حصار کو محفوظ رکھا وہ اپنے دین کو محفوظ رکھے گا اور جس نے اس حصار کو توڑ دیا وہ اپنے سارے دین کو ضائع کر بیٹھے گا۔ اس حقیقت کی وضاحت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یوں فرمائی ہے کہ جو اپنی نماز کو ضائع کر دے گا وہ باقی دین کو بدرجہ اولیٰ ضائع کر بیٹھے گا۔ یہاں اس پہلو پر بھی نگاہ رہے کہ اور پر والی آیت میں نماز کی مادمت کا ذکر ہے اور اس آخری آیت میں اس کی محافظت کی تاکید ہے۔ محافظت سے مراد نماز کو ان آفات و خطرات سے محفوظ رکھنا ہے جو اس کی افادیت کو برباد کر دینے والے ہیں۔ مثلاً یہ کہ نماز پڑھی تو جائے لیکن ادقات کی پابندی یا جماعت کی محاضری کا اہتمام نہ رکھا جائے، یا نماز کے ساتھ ایسے افعال کا ارتکاب کیا جائے جو اس کے مقصد کے منافی ہوں۔ ان خطرات و آفات کی پوری وضاحت ہم نے اپنے رسالہ حقیقت نماز میں بھی کی ہے اور اپنی کتاب تزکیہ نفس میں بھی۔ جن کو تفصیل مطلوب ہو

ان کی مراجعت کریں۔

أُولَئِكَ فِي جَنَّةٍ مُّكْرَمُونَ (۳۵)

فرمایا کہ یہ لوگ جو مذکورہ اوصاف کے حامل ہوں گے جنت کے باغوں میں عزت و اکرام کے ساتھ
براجمان ہوں گے۔

اس میں قریش کے ان مغزوروں پر تعریف ہے جو اپنی موروثی سیادت کے پندار میں اپنے آپ کو
اللہ تعالیٰ کا منظور نظر سمجھے بیٹھے تھے۔ ان کا زعم یہ تھا کہ آخرت ہوئی تو جس طرح اس دنیا میں وہ نعمتوں
کے مستحق قرار پائے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی مابراج عالیہ کے مستحق ٹھہریں گے اور جو لوگ یہاں مفلوک الحال
ہیں وہ دنیا میں بھی اسی طرح مفلوک الحال رہیں گے۔ ان لوگوں کو آگاہ فرمایا گیا ہے کہ جنت و رات
میں منتقل ہونے والی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق آدمی کے کردار و اعمال سے ہے۔ جو لوگ وہ
کر دانا پنا میں گے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں وہ جنت میں جائیں گے، خواہ امیر ہوں یا غریب، اؤ
جو اس کردار سے محروم ہوں گے وہ اس کی جو بھی نہ سونگھیں گے، خواہ وہ عرب کے صناید میں سے ہوں
یا عجم کے صناید میں سے۔

فَسَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قَبْلَكَ مُهْطِعِينَ ۚ عَنِ الْمَيْمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ غَرِيبِينَ
أَيُّكُمْ كَلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يَشُدَّ يَدَ جَنَّةٍ نَّعِيمٍ (۳۶-۳۸)

قرآن کا یہ فیصلہ من کر قریش کے مغزوروں کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔ وہ یہ کس طرح سن
سکتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے نادار و مفلوک الحال ساتھی تو جنت میں براجمان ہوں گے
اور تمام عزتوں اور عظمتوں کے وارث و مورث، سادات قریش و دوزخ کے ایندھن نہیں گے۔ اس غصہ
میں وہ ٹوٹیاں بنا بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید و توہین کے لیے دہنے بائیں سے آپ
پر پل پڑتے۔ ان آیات میں اسی صورت حال کی تصویر اور ان مغزوروں کی خود بانٹگی پر اظہارِ تعجب
ہے۔ فرمایا کہ ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ ہر طرف سے تمہارے اوپر ٹوٹیاں بنا بنا کر پلے پڑ رہے
ہیں! کیا ان میں سے ہر شخص یہ توقع لیے بیٹھا ہے کہ وہ جنت میں جا رہا ہے گا!! یعنی اگر اس طبعِ خام میں
یہ مبتلا ہیں تو ان کی یہ توقع کبھی پوری ہونے والی نہیں ہے۔

یہ معمولی تفسیر الفاظ کے ساتھ یہ آیتیں سورہ مومنوں کے شروع میں بھی گزر چکی ہیں۔ وہاں ان کے ہر جز و پر ہم نے تفصیل
سے بحث کی ہے۔

یہ قرآن میں لفظ 'عزین' آیا ہے جو 'عزّة' کی جن ہے۔ اس کے معنی گردہ اور ممالی کے ہیں۔

یہ لفظ 'اصطاع' کے معنی کس طرف تیزی سے بڑھنے اور پکنے کے ہیں۔

ان بر خود غلط انبیاء کی اس طبع عام کا ذکر قرآن مجید میں جگہ جگہ ہوا ہے۔
 حَمَّ السَّجْدَةِ مِنْ هِيَ؛ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ تَأْتِيَةً وَلَا تَكُنُّ رُجِعَتْ إِلَى رَبِّي
 إِنَّ رَبِّي عَسَدَةٌ لِلْحَسَنِيِّ (۵۰) (اور میں اول تو یہ گمان ہی نہیں رکھتا کہ قیامت ہونے والی ہے
 اور اگر مجھے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہی ہوا تو میرے لیے اس کے پاس اچھا ہی صلہ ہے)۔

سورہ قلم میں انہی مزدوروں کی تردید ان الفاظ میں فرمائی گئی ہے :
 أَفَجَعَلُ السَّالِفِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۗ
 مَا لَكُمْ تَفْكُفًا كَيْفَ نَعْمُونَ ۗ أَمْ
 لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ۗ
 إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَكْفُرُونَ ۗ
 کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی طرح بنا دیں گے؟
 تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟
 کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے
 ہو، اس میں تمہارے لیے وہی کچھ ہے جو پسند
 کرتے ہو! (القلم - ۷۸ : ۳۵ - ۳۸)

كَلَّا أَنَا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ (۳۹)

یہ ان مزدوروں کے اس زعمِ باطل پر ضرب لگائی ہے کہ یہ اپنے تقدس اور بزرگی کی حکایت زیادہ
 نہ بڑھائیں۔ ان کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر ہونے والا نہیں ہے۔ ہم نے ان کو جس چیز سے پیدا کیا
 ہے وہ ان سے مخفی نہیں ہے۔ اس کو بھول نہ جائیں۔ یعنی پانی، کیچڑ، مٹی اور مٹی سے پیدا ہونے والی
 مخلوق کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ شرافتِ حسب و نسب کے غرور میں اپنے آپ کو جنت کا موروثی
 حقدار سمجھ بیٹھے! مجرد خلقت کے اعتبار سے کسی کو بھی کوئی شرف حاصل نہیں ہے۔ شرف اور استحقاق
 حاصل ہو سکتا ہے تو ان اعمال کی بنا پر حاصل ہو سکتا ہے جو اللہ کو پسند ہیں۔ اگر یہ متاع کسی کے پاس نہیں
 ہے تو اجزائے خلقت کے اعتبار سے تو نہ صرف تمام انسان بلکہ ناپاک سے ناپاک حیوانات بھی اس
 کے مساوی ہیں۔ یہی مضمون سورہ نجم میں بدیں الفاظ گزر چکا ہے :

هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ
 الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجْنَةٌ فِي
 بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۗ فَلَا تَكُونُوا
 أَنفُسَكُمْ ۗ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ الْغَيْبِ ۗ
 وہ تم کو خوب جانتا ہے جب کہ اس نے زمین
 سے تم کو پیدا کیا اور جب کہ تم اپنی ماؤں کے پیٹوں
 میں شکل جنین رہے تو اپنے آپ کو پاکیزہ نہ ٹھہراؤ۔
 وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جنہوں نے پرہیزگاری
 اختیار کی۔ (النجم - ۵۲ : ۳۲)

سورہ نجم کی تفسیر میں ہم نے اشارہ کیا ہے کہ یہ آیت صوفیوں کے عقیدہ وحدت الوجود پر بھی
 ایک ضربِ کاری ہے۔

فَلَا تُكْسِمُ رَبِّيَ الْمَشْرِيقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّا لَنَقْدِرُونَ ۗ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ خَيْرًا

مَنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ (۴۰-۴۱)

یہ اسی طرح کی قسم ہے جس طرح کی قسم پچھلی سورہ کی آیات ۳۸-۳۹ میں گزر چکی ہے۔

قسم سے پہلے جو لکھے اس کی وضاحت سابق سورہ میں ہو چکی ہے۔

مشادق اور مغارب کے الفاظ اپنے مقام پر زیر بحث آچکے ہیں۔ قرآن میں یہ الفاظ واحد ثنی اور جمع تینوں شکلوں میں استعمال ہوئے ہیں اور تینوں ہی صورتوں میں معنی کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ عربی زبان میں بعض مرتبہ ثنی کسی شے کے دونوں اطراف کی طرف اشارہ کے لیے آتا ہے جس طرح سورہ کہف میں بَيْنَ الصَّدَقَيْنِ آیا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات جمع محض کسی شے کی وسعت اطراف کرنا ہر کرنے کے لیے آتی ہے جس کی وضاحت ہم نے سورہ اعراف کی تفسیر میں کی ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم تمام مشرق و مغرب کے خداوند ہونے کی حیثیت سے لکھا کہ اپنی اس غیر محدود قدرت کا اثبات فرمایا ہے کہ وہ جب چاہے گا لوگوں کو ان کے مرکھپ جانے کے بعد از مرز زندہ کر دے گا اور کوئی شکل بھی اس کے اس ارادے میں ٹھٹھے نہیں آئے گی۔ اس قسم میں شہادت کا پہلو، جو قسم کا اصل مدعا ہوتا ہے، بالکل واضح ہے۔ اس کائنات میں ہم روزیہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ سورج، چاند اور کرورڈی اربوں کو اکب و نجوم کائنات کے خداوند کے حکم سے طلوع اور غروب ہوتے ہیں تو کیا جس خدا کے قادر و قیوم کے اختیار میں ان کو روز غائب کر دینے کے بعد پھر نمودار کر دینا بھی ہے اس کے لیے لوگوں کو ان کے مرکھپ جانے کے بعد از مرز زندہ کر دینا مشکل ہو جائے گا؟ پہلا کام زیادہ مشکل ہے یا دوسرا؟ جو پہلے پر قادر ہوا تو وہ دوسرے سے کیوں قاصر رہ جائے گا!

سورہ نازعات میں یہی دلیل زیادہ جامع اسلوب سے بیان ہوئی ہے:

عَاثُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ	کیا تمہارا دوبارہ پیدا کیا جانا زیادہ کٹھن ہے
يُنْهَاهُ رَفَعُ سَمَكهَا فَسَوَّاهَا	یا آسمان کا؟ اس کو بنایا۔ اس کی چھت کو بلند
وَأَعْطَشَ لَيْلَهَا فَأَخْرَجَ ضَمْعَهَا	کیا اور اس کو سہاڑا کیا۔ اور اس کی رات کو
وَالْأَرْضَ بَدَدَ ذَلِكَ دَحْيَاهَا أَخْرَجَ	ٹوٹھا کر دیا اور اس کے دن کو بنے نقاب کیا
مِنْهَا مَا عَمَّهَا وَمَرَعَهَا	اور زمین کو اس کے بعد بچھایا اور اس سے اس
وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا	کا پانی اور چارہ برآ کر کیا اور پہاڑوں کو

کاڑ دیا۔

(السنزعت - ۷۹: ۷۷-۷۸)

مَنْ لِي أَنْ تَبْدِلَ خَيْرًا مِنْهُمْ لَوْ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ یعنی ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ان کی

صحت پر توجہ کی جائے

جگہ ان سے بہتر مخلوق لائیں جو اللہ کے دین کو ماننے والی ہو۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ان کو دوبارہ اس سے بہتر صورت میں پیدا کر دیں۔ مطلب یہ کہ جب ہم اس سے بہتر صورت میں پیدا کر دینے پر بھی قادر ہیں تو بعینہ انہی کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرنا ہمارے لیے اور بھی آسان ہے۔ عام طور پر لوگوں نے پہلے مطلب ہی کو اختیار کیا ہے اور زبان کے پہلو سے اس میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے لیکن میرا رجحان دوسرے مطلب کی طرف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورہ میں اصل زیر بحث موضوع وقوع قیامت ہے جس کو مستبعد سمجھنے کی بڑھی دجہ منکرین کے لیے یہی تھی کہ رکھ چ جانے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو وہ غارِ ازمکان قرار دیتے تھے۔ آگے کی آیات سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

فَذَرَهُمْ يَخْوَضُونَ وَيَلْعَبُونَ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يَوعَدُونَ (۲۲)

یہ آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی اور منکرین کے لیے وعید ہے کہ اگر یہ لوگ نہیں سمجھتے تو ان کو چھوڑو۔ یہ جن سخن ساز یوں اور دلچسپیوں میں لگے ہوئے ہیں ان میں لگے رہیں یہ ان تک کہ وہ دن ان کے آگے آجائے جس سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے اور وہ اس سے نچستہ ہیں۔

يَوْمَ يَخْوَضُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِصُونَ (۲۳)

’نُصُبٌ‘ جمع ہے ’نُصَيْبٌ‘ کا جس کے ایک معنی گاڑے ہوئے پتھر کے ہیں۔ گاڑے ہوئے پتھر سے مراد وہ پتھر بھی ہو سکتے ہیں جو مشرکین اپنی نذریں اور قربانیاں پیش کرنے کے لیے گاڑتے تھے اور وہ پتھر بھی ہو سکتے ہیں جو دوڑ و غیرہ کے مقابلہ کے لیے نشان کے طور پر گاڑ دیے جاتے ہیں۔ ابن عباسؓ، مجاہد اور ضحاکؓ اس سے علم مراد لیتے ہیں جس کو دوڑ لگانے کے لیے ایک نشان کے طور پر گاڑا جائے۔

لفظ نُصْبٌ

کا تحقیق

ابوالعالیہ اور یحییٰ بن کثیر اس سے ’غایت‘ (یعنی گول کا نشان) مراد لیتے ہیں جس کو نشان ٹھہرا کر اس کا طرف مقابلہ کی دوڑ لگائی جائے۔

’ایفاض‘ کے معنی ’اسراع‘ یعنی تیزی سے چلنے یا بھاگنے کے ہیں۔

میرے نزدیک لفظ ’نُصْبٌ‘ یہاں نشان اور علم ہی کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج تو یہ متمردين اللہ کے داعی سے اکڑتے اور اس کی بتائی ہوئی راہ سے منحرف ہو کر دوسری راہوں پر چل رہے ہیں لیکن وہ دن بھی آنے والا ہے جب قیامت کا داعی اپنا صور پھونکے گا اور یہ قبروں سے نکل کر تیزی سے اس طرح اس کی طرف پکس گے گو یا وہ دوڑ کے معین نشانوں کی طرف بھاگ رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ اس دن ان کے سارے کس بل نکل جائیں گے اور یہ کچ روئی ان کی ختم ہو جائے گی۔ قیامت کے داعی کی پکار پر جس طرح لوگ اس طرف بھاگیں گے اس کی تصویر قرآن میں یوں کھینچی گئی ہے: يَوْمَ يَبْذُرُونَ

يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَأَن يَرْجُوَ كَذِبًا (جس دن وہ داعی کی پکار کی پیروی بغیر کسی کجی کے کریں گے) یعنی جس طرح تیر سیدھا اپنے معین ہدیت کی طرف جاتا ہے اسی طرح یہ داعی کی طرف لپکیں گے۔ عام طور پر لوگوں نے 'نُصَب' سے مبرودوں کے تھان اور استھان مراد لیے ہیں لیکن اول تو یہ اس لفظ کا معنی مقہوم ہے دوسرے تھان یا استھان کی طرف دوڑنے کا کوئی مفہوم سمجھ میں نہیں آتا۔ مشرکین کے متعلق اس قسم کی کوئی روایت بھی میرے علم میں نہیں ہے۔

خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهُقُهُمْ ذِلَّةٌ ذَلِكِ الْيَوْمِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ (۲۴)

یعنی آج تو اللہ کا رسول اس دن سے ان کو ڈراتا ہے تو اس کا منہ نوچنے کو دوڑتے ہیں لیکن جب قیامت کا داعی ان کو پکارے گا تو یہ اس کی طرف اس طرح لپکیں گے کہ خوف سے ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی اور ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ فرمایا کہ یہ وہ دن ہوگا جس کی ان کو وعید سنائی جاتی رہی ہے۔ یہاں اس سوال کو ذہن میں تازہ کر لیجیے جو پہلی آیت میں 'سَأَلْ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ' کے الفاظ سے نقل ہوا ہے۔ اس کے ضروری پہلوؤں پر بحث اور اس کی تصویر کے بعد یہ آخری آیت میں اس کا جواب دے دیا کہ یہ ہے وہ عذاب کا دن جس سے ان کو ڈرایا جاتا رہا لیکن وہ اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ اس طرح شروع سے آخر تک تمام کلام مربوط ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فَالْحَسْبُ لِلَّهِ عَلَىٰ ذٰلِكَ۔

رحمان آباد

۲۔ ستمبر ۱۹۷۸ء

۲۷۔ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ